کو ترک کر دیں۔ یہ تبدیلیاں پوری قوم کو بھی، اور خود ہمارے معاملات کی باگ ڈور ہاتھ میں لینے والے اکابر کو بھی حریف قوتوں کے مقابلے میں قوی بنائیں گی۔ ورنہ اگر بڑے لوگ آپس میں بھی کھینچا تانی میں مصروف ہوں، رائے عام کو بھی کچلے دے رہے ہوں، اپنے ملک کی منظم اور کام آنے والی طاقتوں کو اختلاف کی سزا دینے میں مصروف ہوں تو قوم ہی کمزور نہیں ہوتی، بڑے لوگ خود بھی کمزور ہو جاتے ہیں، اور کمزوری جس طرح جنگ کے میدان میں خطرناک ہوتی ہے، گفت و شنید کی مجالس میں بھی ویسی ہی خطرناک ہوتی ہے۔ اِن پہلوؤں سے گذشتہ سات برس میں جو کوتاہیاں ہوتی رہی ہیں، یہ انہی کا نتیجہ ہے کہ بھارت کی حکومت ہمارے خلاف نت نئے جارحانہ اقدامات کر رہی ہے۔ اب بھی اگر ان کوتاہیوں کی تلافی کا فیصلہ کر لیا جائے تو ہرے ہوئے داؤں واپس جیتے جا سکتے ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ حکومت پاکستان کو بھارت کے ظلم سے بچانے کے لیے جو بھی مؤثر اقدام تجویز کرے گی، ملک کی تمام پارٹیاں اور عناصر اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اس کا ساتھ دیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان سب کو اعتماد میں لے کر کوئی قدم اٹھایا جائے۔ یہ معاملات اب تنہا مسلم لیگ کے بس کا روگ نہیں رہے۔

---

(۲)

مولانا مودودی کے بارے میں حکومت کا پُراسرار سکوت تا دمِ تحریر جاری ہے۔

مارشل لاء کے قیدیوں کے مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے ایبٹ آباد کے جلسے میں امیر جماعت نے فرمایا تھا کہ حکومت کے سامنے قابلِ عمل صورتیں صرف تین تھیں:۔

ایک یہ کہ مارشل لاء کے سارے کے سارے قیدیوں کو اس دور کے گذرتے ہی فوراً چھوڑ دیا جاتا۔ یہ صورت دنیا بھر کی مسلّمہ اور زیرِ عمل روایات کے مطابق ہوتی۔ مارشل لاء کے ہنگامی دور میں غیر معمولی نوعیت کی سخت کارروائیاں لمبی چوڑی تحقیق کے بغیر عمل میں لائی جاتی ہیں اور بے گناہ افراد ان کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، اور چونکہ ان کارروائیوں کا اصل مقصد نظم و قانون کو از سرِ نو استوار کر کے حالتِ امن

پیدا کر دیتا ہوتا ہے، انتقام و تعزیر کا محرک ان میں شامل نہیں ہونے دیا جاتا، اس لیے دنیا کی مہذب حکومتیں مارشل لاء اُٹھتے ہی اس کی سزاؤں کو ختم کر دیتی ہیں۔

دوسرے یہ کہ تمام سزاؤں کو جاری رکھا جاتا۔ یہ صورت اگرچہ جمہوری ممالک کی روایات کے بالکل خلاف ہوتی اور اپنی حکومت کے ہاتھوں اپنی ہی رعایا کے خلاف یہ طرزِ معاملہ ظالمانہ ہوتا، تاہم حکومت اپنے وقار (PRESTIGE) کی خاطر ایسا کرتی تو کہا جا سکتا تھا کہ یہ ایک طے شدہ ہمہ گیر پالیسی ہے چاہے وہ کتنی ہی گھٹیا نوعیت کی کیوں نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ سزا یافتگان کو حق دیا جاتا کہ وہ ملکی عدلیہ کے سامنے اپیل لے جائیں۔ اس طرح باقاعدہ عدالتی تحقیقات عمل میں آتی اور عام قانون کے تحت جن کے خلاف جرائم ثابت ہو جاتے ان کے لیے معتدل درجے کی سزائیں نافذ ہوتیں اور جن کا مجرم ہونا ثابت نہ ہو سکتا ان کو بری کر دیا جاتا۔ اس صورت میں کہا جا سکتا تھا کہ حکومت صرف انصاف کرنا چاہتی ہے اور قانون کے وقار کو مستحکم بنانا چاہتی ہے۔

لیکن حکومت نے ان تینوں جائز اور معقول صورتوں کو چھوڑ کر دنیا بھر سے نرالی ایک چوتھی راہ نکالی۔ وہ یہ کہ پہلے تو انڈمنٹی ایکٹ کے ذریعے مارشل لاء کی تمام سزاؤں کو قانونی حیثیت سے مستقل بنا دیا، پھر اسی ایکٹ میں یہ بات بھی رکھ دی کہ مارشل لاء کے سزا یافتگان اگر چاہیں تو مرکزی حکومت کو اپنی سزا کے خلاف عرضی پیش کر سکتے ہیں، ایسی کسی عرضی کے موصول ہونے پر حکومت شخص متعلقہ کا کیس بطور خود مرتب کر کے فیڈرل کورٹ کے ایک جج کے سامنے پیش کر دے گی۔ یہ ساری کارروائی سزا یافتگان کے علم سے بالا بالا ہی ہوگی اور وہ حکومت کے پیش کردہ کیس کو معلوم کر کے اس کی کوئی صفائی اضافتاً یا وکالتاً پیش نہیں کر سکیں گے، اس خفیہ طریقے سے جج کی رائے معلوم کرنے کے بعد حکومت اس رائے کے مطابق سزا کو بحال رکھ سکتی ہے، اس میں کمی کر سکتی ہے، یا اسے بالکل ختم کر سکتی ہے۔

سوچیے، کیا یہ صورت اسلام کے معیارِ عدل پر، یا کم سے کم موجودہ دنیا کے مسلمہ اصولِ انصاف پر کسی درجہ میں بھی پوری اترتی ہے؟

مگر اکتفا اسی پر نہیں کیا گیا کہ مارشل لاء کا جو قیدی عرضی دے اس کے معاملے کو زیرِ غور لایا جائے

اور جو نہ دے اس کو پڑا رہنے دیا جائے، نہیں، حکومت نے خود بھی یہ اختیار حاصل کر لیا کہ عرضی نہ دینے والے قیدیوں میں سے جس کا معاملہ بھی چاہے وہ بطور خود پیش کر دے گی۔

لیکن ایکٹ کے دیئے ہوئے اختیارات کی حد یہیں ختم نہیں ہو جاتی، مزید ایک دفعہ کے ذریعے حکومت اس کی مجاز ہے کہ وہ جسے چاہے، بغیر اس کا کیس فیڈرل کورٹ کے کسی جج کے سامنے رکھے رہا کر دے۔

اب، ایکٹ کی وہ مخصوص، پیچ در پیچ ساخت ہم نے مجملاً بیان کر دی ہے جس کے ہوتے ہوئے قانون کا تقاضا مسلم لیگی وزراء اور عمّال کے ذاتی اور گروہی اور سیاسی رجحانات کے تقاضوں میں بالکل حل ہو کے رہ جاتا ہے۔ یہی وہ ساخت تھی جس کو معیارِ عدل سے ہٹا ہوا پا کر مولانا مودودی نے اپنے معاملے پر نظرِ ثانی کرانے کی درخواست دینے سے انکار کر دیا اور ساری عمر جیل میں گذار دینے کو اس پر ترجیح دی۔ بعد کے حالات نے واضح کر دیا کہ مولانا مودودی کا اندیشہ بالکل بجا تھا اور جس اصول پسندانہ مسلک کو موصوف نے اختیار کیا، وہی اختیار کیے جانے کے قابل تھا۔

اب یہ طرفہ ماجرا دیکھ لیجیے کہ ۵۳ء کے سارے ہنگامے میں اگر کوئی مجرم اور تشدد کا گنہ گار مسلم لیگی اقتدار کو ملا تو صرف مولانا مودودی کی ذات تھی، یا پھر عبدالستار خان نیازی کی! کیسی دلچسپ صورت ہے کہ جن قادیانی حضرات کو مارشل لاء کی عدالتوں سے سزائیں دی گئیں وہ تو چند روز کے اندر اندر آناً فاناً جیل سے باہر آ گئے، اور بعد میں آہستہ آہستہ مجلسِ عمل کے ارکان اور تحریکِ راست اقدام کے لیڈر اور سرگرم کارکن، حتیٰ کہ تشدد کی کارروائیوں کے الزام میں سزائیں پانے والے بھی تمام کے تمام رہا ہو گئے، اب قانون اور انصاف کا سارا تقاضا پورا کرنے کے لیے، اور حکومت کی دھاک باندھے رکھنے کے لیے اور فوج کے وقار کی بحالی کے لیے مولانا مودودی اور خان نیازی ہی تختۂ مشق بننے کو باقی رہ گئے ہیں۔

واضح رہے کہ اس سلسلے میں مارشل لاء، اس کی نوعیت، اس کے تحت مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کے کارکنوں کی گرفتاری اور املاک اور حسابات پر ہاتھ صاف کرنے کے واقعات، فوجی عدالت کے مقدمے کی کارروائی کی تفصیل، انڈمنٹی ایکٹ کی مخصوص ساخت اور شروع سے اب تک کی حکومت کی پالیسی کے خم و پیچ اس ملک کے عوام پر پوری پوری طرح واضح ہو چکے ہیں۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت

یہ ہے کہ رائے عام ـــــ اور ہر طبقے اور ہر عنصر کی رائے عام ـــــ نے ایک ایک مرحلے میں ملک گیر پیمانے پر اپنے تاثر کا اظہار احتجاج کی صورت میں کیا ہے۔ جلسے، قرار دادیں، تار، محضر نامے، وفود، مظاہرے، اخبارات کے نوٹ، مساجد کی دعائیں، ہر طرف سے ایک سیلاب کی طرح امڈتی رہی ہیں اور سنجیدہ، باوقار، پُرامن اور جمہوری تدابیر جو بھی ممکن العمل تھیں ان میں سے بیشتر کے ذریعے پاکستان کے شہریوں نے اپنے جذبات مولانا مودودی کے معاملے میں سینہ کھول کر حکمراں طبقے کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ دلیل کے میدان میں مسلم لیگی اکابر کی پالیسی پوری طرح شکست کھا چکی ہے۔ آج آپ کسی کوردہ میں چلے جایئے اور کسی ان پڑھ غیر سیاسی دیہاتی بڈھے کو ہل چلاتے ہوئے روک لیجیے، کسی بچے کو مٹی کے گھروندے بناتے ہوئے پکاریے، کسی عورت کو دودھ بلوتے ہوئے جا کر پوچھیے کہ مولانا مودودی کے معاملے میں حکومت کا رویہ انصاف کا رویہ ہے یا زیادتی کا؟ ـــــ اس کے جواب میں آپ صرف "ظلم! ظلم!!" کی ایک ہی آواز ہر کسی سے سنیں گے۔ آپ مزید کریدیئے تو اس ملک کا عامی آدمی بھی آپ کو بتا دے گا کہ مولانا مودودی کا قصور اسلامی دستور کی تحریک چلانا ہے۔ یوں نہیں، تو پھر ہم چیلنج کرتے ہیں کہ آپ کے چوٹی کے لوگ کسی شہر، کسی علاقے میں آئیں اور ایک جلسۂ عام بلا کر مولانا مودودی کے خلاف اپنا کیس پیش کریں اور جماعت اسلامی کے کسی معمولی کارکن کو جوابی تقریر کا موقع دیں، پھر وہ رائے شماری کر لیں کہ لوگ کس کے دلائل کو وزن دیتے ہیں۔ بلکہ جوابی تقریر کا موقع اگر نہ بھی دیا جائے تو بھی ہمارا اندازہ یہ ہے کہ لوگ اپنے فہم و شعور سے صحیح نتیجے تک پہنچ سکتے ہیں۔

اب آگے صرف دھاندلی کا میدان باقی ہے۔ جس کے ہاتھوں میں اختیارات ہوتے ہیں وہ جب دلائل سے ہر طرف سے زچ ہو جاتا ہے تو قوت کے لٹھ کو حرکت میں لے آتا ہے۔ اگر خدانخواستہ یہی لٹھ آپ کو چلانا ہے تو آپ کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں۔ چلا دیکھیے۔ مگر یقین جانیے کہ جس لٹھ کی حرکت دلائل کی بنا پر یا جواز عوام کے سامنے ثابت نہ کر سکی ہو، اس کے وار سے چوٹ تو کسی مظلوم ہی کو لگتی ہے مگر اس چوٹ کا بہت زیادہ درد خود لٹھ چلانے والے کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ دلیل کی سرحد پھاندنے کے بعد سیاسی انتقام کا میدان سامنے آجاتا ہے، اور سیاسی انتقام کو کتنی ہی مقدس نقابیں اوڑھا دیجیے، دنیا کی نگاہ اس کے انداز و قد کو بخوبی پہچانتی ہے۔

مولانا مودودی کے خلاف آپ جو چاہیں کیجئے، لیکن ایک بار پھر یہ حقیقت سمجھ لیجیے کہ مولانا مودودی ہے کون ؟

یہ وہ شخص ہے جس نے اس دورِ الحاد میں خالص عقلی اسلوب سے اسلام کے عقیدوں، اس کے اصولوں، اس کے فلسفے، اس کے قوانین وضوابط، اس کی اخلاقی قدروں، اس کی تہذیبی روایات اور اس کے آداب و شعائر کو نکھار کر پیش کیا ہے۔ اس نے اسلام کو جامد مذہب کی سطح سے اٹھا کر اجتماعی دین اور انقلابی تحریک کی صورت میں اجاگر کر دیا ہے۔ اس نے متزلزل ایمانوں کو از سر نو مستحکم کر دیا ہے، اس نے اکھڑے ہوئے دلوں کو دوبارہ جما دیا ہے، اس نے الجھے ہوئے دماغوں کی ساری گرہیں کھول دی ہیں۔ اس نے نئی امنگیں اور نئے جذبات دیئے ہیں۔ اس نے زندگی کے یخ بستہ سمندر میں حرکت پیدا کی ہے۔

ہاں! یہ وہ شخص ہے جس کا پیغام ہزاروں دلوں میں اس طرح اُتر گیا ہے کہ اس نے زندگیوں میں انقلاب پیدا کر دیا ہے، لوگوں کے دل و دماغ بدل گئے ہیں، لوگوں کے اخلاق کی کایا پلٹ گئی ہے، لوگوں کی دوستیوں اور دشمنیوں کی سمتیں تبدیل ہو گئی ہیں، گھروں کے گھر ہیں کہ جن کی تہذیب اور جن کا کلچر نئے سانچوں میں ڈھل گیا ہے۔ نوجوان ہیں جو کل تک خدا اور مذہب کا مذاق اڑاتے تھے، لیکن آج اسی خدا کے جاں نثار بندے اور اس کے مذہب کے اصولوں کے لیے دن رات جانفشانیاں کرنے والے ہیں۔ اونچے دل و دماغ جو کل تک کمیونزم کے علمبردار تھے آج اسی کے خلاف معرکہ آرائی میں پیش پیش ہیں۔ خواتین ہیں کہ جن کی جنت نظر اگر کل تک مغربی طرز کی زندگی تھی تو آج ان شمع ہائے خانہ کی کرنوں سے کتنے ہی خاندانوں میں اسلامی ماحول پیدا ہو رہا ہے۔ طلبا ہیں کہ جنہیں آپس کی دھڑے بندیوں اور سیاسی لیڈروں کے اشارے پر ہنگامہ آرائیوں سے فرصت نہ ملتی تھی، آج اپنے آپ کو ایک اسلامی نظام کے کل پرزے بنانے کے لیے ذہنی و اخلاقی تیاری میں مصروف ہیں۔ ادیب ہیں کہ جو کل تک دولت اور شہرت کی طلب میں اخلاق سوز تفریحی نگارشات کی تخلیق میں دماغی قویٰ کو برباد کر رہے تھے، آج ان کے قلم خدا و رسول کی امانت بن گئے ہیں۔ تاجر اور وکیل بدلے ہیں، سرمایہ دار اور مزدور بدلے ہیں، زمیندار اور کسان بدلے ہیں، عالم اور اَن پڑھ بدلے ہیں، شہری اور دیہاتی بدلے ہیں —— اور آئے دن اس شخص کی دعوت یہ انقلابی عمل دکھا رہی ہے۔

ہاں! یہ وہ شخص ہے جو ایک کتابی اور خطابتی پیغام دے کر ہی نہیں رہ گیا۔ اُس نے دین کے لیے ایک تحریک بپا کر دی ہے۔ اس نے ایک تنظیمی طاقت پیدا کر دی ہے۔ اس نے سیاست کے اطوار کو نیا رنگ دیا ہے۔ اس نے اجتماعات اور جلسوں کو نئی فضا دی ہے۔ اُس نے تقریروں کو نیا مزاج دیا ہے۔ اس نے انتخابات کے لیے اسلامی اصولوں پر ایک نئی پالیسی مرتب کر کے تجربے کے میدان میں ڈال دی ہے۔

ہاں! یہ وہ شخص ہے جو ایک بے داغ سیرت کا مالک ہے۔ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ دنیا سے مخفی نہیں، نہ اسے کسی گوشے کو مخفی رکھنے کی کبھی ضرورت ہی پیش آتی ہے۔ وہ نہ کسی قیمت پر بکنے والا ہے اور نہ کسی ڈراوے سے ڈرنے والا ہے۔ وہ عیارانہ جوڑ توڑ سے منزلوں بلند ہے۔ وہ مفاد کی بازیاں کھیلنے سے کوسوں دُور ہے۔ وہ اغراض کے مُہرے لڑانے سے کاملاً پاک دامن ہے۔ اسے آپ نے مختلف الزامات کا ہدف بنایا مگر کوئی الزام اس کے قامت پر راست نہ بیٹھا، آپ لوگوں نے اس کے خلاف شبہات پھیلائے مگر اس کی سیرت پر کوئی شبہ چسپک نہ سکا، آپ نے گالیاں دیں لیکن کوئی گالی اس پر چسپ نہ سکی آپ نے اسے ابتلاء کی انتہائی کٹھن وادیوں سے گذارا مگر کہیں اس نے ہمت نہیں ہاری آپ نے اسے گرم ترین بھٹیوں میں ڈالا مگر وہ ہر بار زرِ خالص بن کر نکلا۔

ہاں! یہ وہ شخص ہے کہ لوگ جس کی علمی رفعت سے مرعوب ہی نہیں، اس کے کیرکٹر سے متاثر بھی ہیں۔ صرف متاثر ہی نہیں، اس کے احسان مند بھی ہیں۔ احسان مندی کا صرف اعتراف ہی نہیں کرتے، اس سے گہری محبت بھی کرتے ہیں۔ اور اس سے محبت کرنے والوں کا حلقہ پاکستان تک ہی محدود نہیں، تمام مسلم ممالک بلکہ یورپ کے بڑے بڑے شہروں تک بھی پھیلا ہوا ہے۔

ہاں! یہ وہ شخص ہے جس کا لٹریچر گھر گھر میں موجود ہے، جس کے ملنے والے شہر شہر میں پھیلے ہوئے ہیں، جس سے خط و کتابت کرنے والے گاؤں گاؤں میں موجود ہیں، جس کی فکر اجتماعی ذہن کے رگ و ریشہ میں اتر گئی ہے، جس کی اصطلاحات آج نادانستہ طور پر اس کے مخالفین کی تحریر و تقریر میں بھی گھل مل گئی ہیں۔

ایسے شخص کے "جرم" کو بھی لوگ جانتے ہیں، اس کے مخالفین اور اس کے حریفوں کے طرزِ معاملہ

کی حقیقت بھی لوگ سمجھتے ہیں، اور اس کو دی جانے والی سزا کے معنی بھی جانتے ہیں۔

ایک بار اچھی طرح سوچیے کہ ایسی بلند مرتبت تاریخی شخصیت کے نہ وقار کو آپ کم کر سکتے ہیں، نہ اس کی عزت گھٹا سکتے ہیں، نہ اس کی محبوبیت و مقبولیت کا دائرہ سکیڑ سکتے ہیں اور نہ اس کے پیغام کے جادو کو توڑ سکتے ہیں۔ اُس کے سامنے آپ کے طبقے میں سے کتنے ہی اکابر اُبھرے اور سال دو سال اپنے ٹمٹمانے دکھا کر زمانے کے حافظے کی بالکل نچلی تاریک تہوں میں جا ڈوبے لیکن مودودی ہے کہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتا جا رہا ہے۔

یہ بھی سوچیے کہ لوگ مولانا مودودی کی رہائی کا مطالبہ محض اس لیے نہیں کرتے کہ وہ ایک مذہبی یا سیاسی لیڈر ہے۔ بلکہ وہ اس کی ذات کو "اسلامی دستور"، "اسلامی تحریک" اور "اسلامی نظام" کا ایک نشان محسوس تسلیم کرتے ہیں۔ وہ مولانا مودودی کے الفاظ سے گوشت اور ہڈیوں کا ایک پیکر مراد نہیں لیتے بلکہ ان کا مفہوم ہوتا ہے "دین کو غالب کرنے کی جدوجہد"، ان کے تصور میں چمک اُٹھتے ہیں "اسلامی مملکت کے ۲۲ اصول"، ان کی آنکھوں کے سامنے نمودار ہو جاتا ہے "قادیانی مسئلہ"، ان کا تخیل دیکھنے لگتا ہے "تفہیم القرآن" کے اوراق کو!

یہ ہے مودودی!

اس کے ساتھ آپ کو جو کچھ کرنا ہے، ان ساری حقیقتوں کو خوب سمجھ کر کیجیے! آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کیوں جگہ جگہ سے مودودی کی سزا کے خلاف رائے عام کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں، کیوں اتنا اضطراب پھیلا ہوا ہے، کیوں شہر شہر مظاہرے ہوتے ہیں اور کیوں جگہ جگہ لوگ آپ کا دامن تھام تھام کر پوچھنے لگے ہیں کہ مولانا مودودی کے ساتھ کیا سلوک روا رکھو گے۔

ان ہمہ گیر عوامی جذبات کو آپ نے پنجاب کے شہروں اور اضلاع میں دفعہ ۱۴۴ لگا کر، امیر جماعت کی زبان بندی کر کے اور تشدد کی مختلف تدبیریں عمل میں لا کر اپنی طرف سے دبا دیا ہوگا لیکن خیر خواہانہ گذارش یہ ہے کہ بےچینی اسی طرح لہریں لے رہی ہے اور جب مضطربانہ جذبات پر اظہار کے دروازے اوپری تدبیروں سے بند کر دیے جائیں تو حالت وہی ہوتی ہے جیسے درد و کرب سے تڑپنے والے کسی مظلوم زخمی کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے جائیں۔ شدامن سے یہ سلوک کبھی اچھے نتائج نہیں دے سکتا!